جلنے لگے تو آپ یہ عذر کر کے پیچھے ٹھیر گئے کہ اِنِّیْ سَقِیْمٌ (میں بیمار ہوں)۔ اس کو جھوٹ قرار دینے کے لیے کسی مستند ذریعہ سے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اُس وقت بالکل تندرست تھے، کسی قسم کی شکایت اُن کو نہ تھی لیکن یہ بات نہ اللہ نے بتائی نہ اس کے رسولؐ نے۔ پھر اسے آخر کس بنا پر جھوٹ کہا جائے؟ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے بت خانے میں گھس کر بڑے بُت کے سوا باقی سارے بُت توڑ دیے، تو قوم کے لوگوں نے تلاش شروع کی کہ یہ فعل کس نے کیا ہے۔ بعض لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ پر شبہ ظاہر کیا۔ چنانچہ وہ بلائے گئے اور ان سے پوچھا گیا کہ تم نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ انہوں نے جواب دیا بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ۔ (بلکہ یہ فعل ان کے اِس بڑے نے کیا ہے، اِن زخمی بتوں سے پوچھ لو اگر یہ بول سکتے ہیں)۔ اِس فقرے کے الفاظ خود بتا رہے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ بات ایک جھوٹے بیان کی حیثیت سے نہیں بلکہ شرک کے خلاف ایک دلیل کی حیثیت سے فرمائی تھی۔ ان کا مدعا دراصل پوچھنے والوں کو اس حقیقت پر متنبہ کرنا تھا کہ تمہارے یہ کیسے خدا ہیں جو بیچارے اپنی داستانِ مصیبت تک نہیں سنا سکتے۔ اس بات کو تو کوئی معمولی سخن فہم آدمی بھی جھوٹ نہیں کہہ سکتا، کجا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بدگمانی کریں کہ آپ نے اسے جھوٹ قرار دیا ہوگا۔

رہا تیسرا "جھوٹ" تو وہ دراصل اُن مہمل افسانوں میں سے ایک ہے جو بائیبل میں انبیاء کے نام پر گھڑے گئے ہیں۔ بائیبل کی کتاب پیدائش میں یہ واقعہ ایک جگہ نہیں بلکہ دو جگہ بیان کیا گیا ہے۔ پہلا واقعہ مصر کا ہے اور وہ بائیبل کے الفاظ میں یہ ہے:۔

> اس نے اپنی بیوی سارٰی سے کہا کہ دیکھ مَیں جانتا ہوں کہ تو دیکھنے میں خوبصورت عورت ہے، اور یوں ہوگا کہ مصری تجھے دیکھ کر کہیں گے کہ یہ اس کی بیوی ہے۔ سو وہ مجھے تو مار ڈالیں گے مگر تجھے زندہ رکھ لیں گے۔ سو تو یہ کہہ دینا کہ مَیں اس کی بہن ہوں . . . . مصریوں نے اس عورت کو دیکھا کہ وہ نہایت خوبصورت ہے . . . . اور وہ عورت فرعون کے گھر میں پہنچائی گئی . . . . پر خداوند نے فرعون اور اس کے خاندان پر ابرام کی بیوی کے سبب سے

بڑی بڑی بلائیں نازل کیں، تب فرعون نے ابرام کو بلا کر اس سے کہا کہ تو نے یہ مجھ سے کیا کیا؟ تو نے مجھے کیوں نہ بتایا کہ یہ تیری بیوی ہے؟ تو نے یہ کیوں کہا کہ وہ میری بہن ہے؟ اسی لیے میں نے اُسے لیا کہ وہ میری بیوی بنے" (باب ۱۲- آیات ۱۱ تا ۲۰)

لطف یہ ہے کہ خود بائیبل ہی کے بیان کے مطابق اُس وقت حضرت سارہ کی عمر ۶۵ سال تھی۔ اس کے بعد دوسرا واقعہ فلسطین کے جنوبی علاقے کا بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے:۔

"اور ابرہام نے اپنی بیوی سارہ کے حق میں کہا کہ وہ میری بہن ہے اور جرار کے بادشاہ ابی ملک نے سارہ کو بلوا لیا۔ لیکن رات کو خدا ابی ملک کے پاس خواب میں آیا اور اسے کہا کہ دیکھ تو اُس عورت کے سبب سے جسے تو نے لیا ہے ہلاک ہوگا کیونکہ وہ شوہر والی ہے۔۔۔

۔۔۔ اور ابی ملک نے ابرہام کو بلا کر اس سے کہا کہ تو نے ہم سے یہ کیا کیا اور مجھ سے تیرا کیا قصور ہوا کہ تو مجھ پر اور میری بادشاہی پر ایک گناہِ عظیم لایا؟" (باب ۲۰- آیات ۲ تا ۱۶)

بائیبل کے اپنے بیان کی رو سے اُس وقت حضرت سارہ کی عمر ۹۰ سال کی تھی۔ یہ دونوں قصے خود بتا رہے ہیں کہ یہ سراسر جھوٹے ہیں، اور ہم کسی طرح یہ باور نہیں کر سکتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصدیق فرمائی ہوگی۔

اب ایک شخص یہ سوال کر سکتا ہے کہ اگر یہ تینوں باتیں از روئے درایت غلط ہیں تو اہل روایت نے ان احادیث کو اپنی کتابوں میں درج ہی کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ درایت کا تعلق احادیث کے نفسِ مضمون سے ہے، اور روایت کا تعلق تمام تر سند سے۔ اہل روایت نے جو خدمت اپنے ذمے لی تھی وہ دراصل یہ تھی کہ قابل اعتماد ذرائع سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے متعلق جتنا مواد ان کو بہم پہنچے اسے جمع کر دیں۔ چنانچہ یہ خدمت انہوں نے انجام دے دی۔ اس کے بعد یہ کام اہل درایت کا ہے کہ وہ نفس مضامین پر غور کر کے ان روایات سے کام کی باتیں اخذ کریں۔ اگر اہل روایت خود اپنی اپنی فہم کے مطابق درایت کا کام بھی کرتے اور مضامین پر تنقید کر کے اُن ساری روایتوں کو رد کرتے جاتے جن کے مضمون ان کی انفرادی رائے میں مناسب نہ ہوتے، تو ہم اس بہت

سے مواد سے محروم رہ جاتے جو مجموعہ احادیث مرتب کرتے والوں کے نزدیک کام کا نہ ہوتا اور دوسرے بہت سے لوگوں کے نزدیک کام کا ہوتا۔ اس لیے یہ عین مناسب تھا کہ اہل روایت نے زیادہ تر تنقید اسناد تک اپنے کام کو محدود رکھا اور تنقید مضامین کی خدمت انجام دینے والوں کے لیے معتبر اسناد سے بہم پہنچا ہوا مواد جمع کر دیا۔

(۱۳) یہ حدیث بخاری، کتاب بدء الخلق، باب خیر مال المسلم غنم تیبع بہا شعف الجبال، اور کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا میں آئی ہے۔ اس مضمون کی تمام احادیث کو جمع کرنے سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "وزغ"[1] کو موذی جانوروں میں سے قرار دیا تھا[2] اور بعض روایات کی رو سے یہ بھی فرمایا تھا کہ دوسرے موذی جانوروں کی طرح اسے بھی مار دیا جائے۔ چنانچہ حضرت عائشہ کی صحیح ترین روایت جو بخاری میں آئی ہے اس میں وہ فرماتی ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال للوزغ الفویسق ولم اسمعہ امر بقتلہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وزغ کو فویسق (موذی) فرمایا، مگر میں نے یہ نہیں سنا کہ آپ نے اسے مار ڈالنے کا بھی حکم دیا ہو۔

دوسری ایک روایت جو مسند احمد اور ابن ماجہ میں حضرت عائشہ سے مروی ہے، اس میں مار دینے کا بھی ذکر ہے اور حضرت ابراہیم پر آگ پھونکنے کا بھی، مگر جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے، والذی فی الصحیح اصح، یعنی صحیح بخاری والی روایت ہی زیادہ صحیح ہے۔

پھر بخاری کی اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ وزعم سعد بن ابی وقاص ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر بقتلہ۔ یعنی "سعد بن ابی وقاص کا دعویٰ یہ تھا کہ حضور نے اسے مار ڈالنے کا حکم دیا۔

---

[1] وزغ کے اصل معنی گرگٹ کے ہیں نہ کہ چھپکلی۔

[2] حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چند جانوروں کو فواسق (موذی) قرار دے کر فرمایا تھا کہ انہیں حرم میں اور حالت احرام میں مار دینے کی بھی اجازت ہے۔ بچھو، باؤلا کتا، اور چوہا بھی ان میں شامل ہے۔